اگر مغفرت چاہتے ہو، اگر تمام گناہوں سے کلیۃً نجات چاہتے ہو تو خدا کی رحمت سے تعلق جوڑے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7/ مارچ 1997ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿۶۵﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا
كَانَ غَرَامًا ﴿۶۶﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ
اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۸﴾
وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ
اَثَامًا ﴿۶۹﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۷۰﴾
اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿۷۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۷﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا
بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۸﴾

(الفرقان: 64 تا 78)

پھر فرمایا:

گزشتہ چند خطبات میں قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: 54) کی آیات کے حوالے سے توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے کا مضمون بیان کیا جا رہا ہے جس کا آخری نتیجہ یہ بیان فرمایا گیا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ تمام تر گناہوں کو کلیۃً بخشنے کی طاقت رکھتا ہے اور اگر وہ تمہاری توبہ کو قبول فرمالے تو پھر بے انتہا فضل ہیں جو تم پر نازل ہوں گے اور اللہ کو تم غفور اور رحیم پاؤ گے، بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا۔ اس مضمون کے حوالے سے چند باتیں میں گزشتہ خطبات میں پیش کر چکا ہوں۔ اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی اصطلاح قرآن کریم نے دراصل ایسے ہی بندوں کے لئے استعمال فرمائی ہے جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا، دراصل رحمانیت کی طرف حرکت کرنے کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ اگر مغفرت چاہتے ہو، اگر تمام گناہوں سے کلیۃً نجات چاہتے ہو تو خدا کی رحمت سے تعلق جوڑے بغیر یہ ممکن نہیں ہے اور جب خدا کی رحمت سے تعلق جوڑتے ہیں تو عِبَادُ الرَّحْمٰنِ بنتے ہیں، رحمان خدا کے بندے اور یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے کہ آپ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے توبہ کر لی اب ہم رحمان خدا کے بندے بن گئے ہیں۔ قرآن کریم نے تفصیل سے رحمان خدا کے بندوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ہر ایک ہمارے لئے کسوٹی ہے اگر وہ ہم میں پوری ہے یا ہم اس کسوٹی پر پورا اترتے ہیں تو رحمان خدا کے بندے ہیں اگر نہیں تو محض خیالات کی جنت

میں بسنے کی کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پس کلام الٰہی اتنا کامل اور اتنی تفصیل سے مضامین کے ہر پہلو کو روشن کرنے والا ہے کہ کسی قسم کا کوئی ابہام باقی نہیں چھوڑتا۔ پس بعض اور مضامین بھی اس سے تعلق رکھنے والے، خدا نے توفیق دی تو میں بیان کروں گا مگر آج میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کے حوالے سے قرآن کریم کی بیان فرمودہ وہ علامتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن کو دیکھ دیکھ کر آپ نے قدم آگے بڑھانے ہیں۔ جیسے مشکل راستوں پر جگہ جگہ نشان لگے ہوتے ہیں، وہ تیر کا نشان، رخ بتاتا ہے کہ یہ رستہ ہے، وہ رستہ نہیں اور اگر نشان نہ لگے ہوں تو آپ بھٹکتے بھٹکتے کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے۔ روزمرہ کی ہماری جو خدام الاحمدیہ کی کھیلیں ہوتی ہیں سائیکل ریس ہو یا پیدل لمبا سفر کرنا ہو تو خدام بڑی محنت سے ایک دن پہلے وہ نشان لگا دیتے ہیں اور ذرا آنکھ چوکی اور انسان کسی اور سڑک پر چل پڑا۔ تو قرآن کریم اتنا منظّم نظام پیش کرتا ہے، حیرت انگیز منظّم تعلیم پیش کرتا ہے کہ جگہ جگہ وہ نشان لگے ہوئے ہیں کہ دیکھو یہاں جا کر اس طرف مڑ کر Move کرنا ہے، یہاں سے اس طرف مڑنا ہے قدم بھٹک نہ جائیں اپنا جائزہ لیتے رہو تم صحیح رستے پر ہو بھی کہ نہیں۔ تو وہ جو لمبی سڑک ایک عام انسان کی توبہ سے شروع ہو کر عِبَادُ الرَّحْمٰنِ تک پہنچا دیتی ہے اس کے یہ نشان ہیں جو قرآن کریم کی ان آیات نے آپ کے سامنے کھولے ہیں اور پہلا نشان اس کا انکساری ہے۔ تکبر سے خالی ہو جاتے ہیں اور یہ سب سے پہلے اس لئے رکھا کہ عبد بننے کے لئے تکبر سے کلیۃً نجات لازم ہے کیوں کہ کسی کے سامنے کوئی بھی انسان تکبر رکھتے ہوئے اپنا سر جھکا نہیں سکتا۔ اپنی بڑائی کا ادنیٰ بھی تصور ہو تو کسی اور کے سامنے سر خم کرنے کے رستے میں حائل ہو جائے گا۔

فرمایا وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وہ تو بڑی منکسر مزاجی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں۔ ان کے قدم رعونت سے نہیں پڑتے بلکہ ہر قدم پر وہ اپنا عجز دیکھ رہے ہوتے ہیں، اپنی کمزوری دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اور جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو سلام کہتے ہوئے گزر جاتے ہیں ان سے الجھتے نہیں ہیں ان کی بدی کا جواب بدی سے نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں ہماری طرف سے تو سلامتی تمہیں پہنچے گی۔ یہ دو بنیادی صفات ہیں جہاں سے رحمانیت کے ساتھ تعلق جوڑنے کا سفر شروع ہوتا ہے۔ ہر انسان کو اپنے

نفس کو کلیۃً ہر قسم کے تکبر سے خالی کرنا ہوگا ورنہ عبد کا مضمون اس پر صادق آ ہی نہیں سکتا۔ اتنا کامل کلام ہے کہ بات کو وہاں سے شروع کیا جو لازماً پہلا دروازہ ہے اس کے بغیر عِبَادُالرَّحْمٰنِ کے رستے میں داخل ہو ہی نہیں سکتے۔ هَوْنًا پیدا کریں اپنے اندر۔ یعنی جھک کر خدا کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے سفر اختیار کرنا اور اپنے نفس کو کلیۃً بیچ میں سے مٹا ڈالنا اور دوسروں کے لئے شر سے کلیۃً خالی ہو جائیں کیونکہ وہ شخص جو ہر بات میں اپنے آپ کو عاجز ہی جانتا ہو اس شخص کی یہ علامت لازماً ظاہر ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بڑے کو سلام ہی کرتا ہے اور ایسے فقیر منش لوگ میں نے دیکھے ہیں کہ وہ کسی سے نہیں الجھتے، اپنے آپ کو نیچا کہتے ہیں ہم نیچے ہیں ہر آئے گزرے کو سلام کہتے ہیں بس ہماری طرف سے تمہیں سلام پہنچے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تم سے۔ تو بنی نوع انسان کے لئے خدا کے بندے عجز کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور سلام کے پیغام لیتے ہوئے چلتے ہیں اس لئے قیامت کے دن ان کو بھی یہی سلام کا پیغام ہے جو پہنچایا جائے گا۔

پس یہ دو شرطیں ہیں جن سے ہمیں لازماً مزین ہو جانا، سج جانا چاہئے کامل عجز اور ہر قسم کے شر سے اجتناب۔ اب یہ دو شرطیں بھی اتنی مشکل ہیں، جتنی پیاری ہیں اتنی مشکل بھی ہیں یعنی آئے دن روزانہ انسان سے کسی نہ کسی کو اور کوئی نہ کوئی شر پہنچ ہی جاتا ہے، بات چیت میں تو تو، میں میں ہو جاتی ہے۔ دل آزاری کی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں۔ اپنی بڑائی کا کوئی کلمہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ کسی کے اندر کوئی نقص دیکھتے ہیں تو بعض عورتیں تو ہنستی ہیں منہ پر ہاتھ رکھ رکھ کر اور دوسری عورتوں کو اشارے کرتی ہیں کہ وہ دیکھو جی وہ کس قسم کی بھدی چیز ہے فلاں کا بچہ دیکھو، فلاں کی لڑکی دیکھو، فلاں کے کپڑے دیکھو اور وہ سمجھتی ہیں کہ کچھ بھی نہیں یہ تو ہم نے ذرا لطف اٹھایا ہے۔ مگر قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ تم نے اپنے اوپر رحمان کی بندی بننے کے لئے دروازے بند کر دیئے کیونکہ رحمٰن کے بندوں کی یہ علامت ہے کہ عجز اختیار کرتے ہیں۔ جو عجز اختیار کرے وہ تو سب سے نیچا ہوگا اس کو دوسرے کی کمزوری پر ہنسنے کا موقع کیسے ہاتھ آئے گا۔ پس ہنسی اپنی جگہ منع نہیں فرمائی مگر تکبر کی ہنسی منع فرمائی ہے۔ جہاں دوسرے کو آپ نیچا دیکھ کر رعونت کے ساتھ اس کی ایسی کمزوریوں پر ہنستے ہیں جو بسا اوقات اس کے بس میں ہی نہیں ہوا کرتیں اور پھر ایسے آدمی سے کوئی نہ کوئی شر ضرور دوسروں کو پہنچتا ہی رہتا ہے۔ پس سلام کا یہ مطلب صرف نہیں ہے کہ کسی جاہل نے آپ سے سختی سے بات کی تو آپ

نے سلام کہہ دیا اور گزر گئے۔ یہ دونوں باتیں مربوط ہیں۔ عادت میں یہ بات داخل ہو تب یہ بات پیدا ہوتی ہے ورنہ اگر عادت میں یہ بات نہ ہو کہ میں نے خیر ہی پہنچانی ہے تو رستہ چلتے کوئی آوازہ کسے، دیکھیں آپ کیسے الٹ کے اس کا جواب دیں گے۔ ہو ہی نہیں سکتا آپ رک سکیں۔ یہ خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت کے گہرے راز بیان فرمائے ہیں ان کو معمولی کلام نہ سمجھیں، اپنے نفس پر اس کا اطلاق کر کے دیکھیں اور روزمرہ اپنا امتحان تو لے کے دیکھیں۔ چلتے پھرتے کوئی آوازہ کسے کیسا غضب سے آپ اس پر پلٹتے ہیں اور بعض دفعہ اس کے نتیجے میں شدید نقصان اٹھا بیٹھتے ہیں، لڑائیاں ہو جاتی ہیں قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ عادت جب تک مزاج میں داخل نہ کر لی جائے، ایک قاعدہ کلیہ نہ بن جائے اس وقت تک یہ صفات پیدا نہیں ہوا کرتیں اور اس کا آغاز عجز سے ہوگا۔ اب نیچے آدمی کو اوپر والے کہتے رہتے ہیں کبھی وہ سر نہیں اٹھاتا بے چارہ۔ وہ آنکھیں نیچی کر کے ہر بات برداشت کرتا چلا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا عِبَادُ الرَّحْمٰنِ ہونے کے لحاظ سے تم یہ کرتے ہو۔ اس لئے جتنا ذلیل بنتے ہو اگر اس کی خاطر بنتے ہو تو وہ ضرور تمہیں عزت دے گا اور اپنے بندوں میں شمار کر لے گا۔

پس بندہ اپنی ذات میں تو کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا کوئی اس کی ملکیت نہیں رہتی مگر مالک طاقتور ہو، مالک عظیم ہو تو پھر دوسروں کی مجال نہیں رہتی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھیں۔ تو فرمایا تم اپنے مالک نہ بنے پھرنا، اپنے مالک بن کر چلو گے تو اس دنیا میں تمہارا گزارا ہو ہی نہیں سکتا۔ تم سے زیادہ طاقتور، زیادہ سخت مزاج، زیادہ ظالم لوگ موجود ہیں اور ساری دنیا کا مقابلہ تم کر ہی نہیں سکتے۔ ایک ہی طریق ہے غلام بن جاؤ اور جس کے غلام بنو وہ رحمان ہو جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے، جس نے قرآن سکھایا۔ اس رحمٰن کے بندے بنو تو پھر کچھ علامتیں ہیں جو تمہارے اندر ظاہر ہوں گی وہ یہ ہیں کہ تم عاجزی کے ساتھ چلو گے، لوگوں کی باتوں کی کچھ پرواہ نہیں کرو گے پھر۔ صبر سے کام لو گے اور رحمٰن کی وجہ سے اس میں رحمٰن کی شان کا پیش نظر رکھنا داخل ہے۔ یہ بتاتا ہے یہ کلام کہ ایرا غیرا کی اولاد اگر بدتمیزی سے بات کرے، بداخلاقی سے پیش آئے تو اس کا نقص وہیں تک رہتا ہے لیکن اگر ایک بڑے عظیم انسان کا بچہ ہو اور وہ ایسی باتیں کرے تو اس کو گزند پہنچتا ہے، لوگ اس پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ تو پیغام یہ ہے دیکھو رحمان خدا کی عزت کا لحاظ رکھنا۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا ایسا ہو کہ جس کے نتیجے میں رحمٰن کی عظمت دلوں پر ظاہر ہو، پتا چلے کہ کتنے عظیم وجود کے یہ بندے ہیں جو پھر رہے ہیں اور وہ تکبر

سے نہیں وہ عجز ہی سے ظاہر ہوگا، تو یہ صفات رحمٰن کے تعلق میں اگر انسان اپنے اندر پیدا کرلے تو ان کا پیدا کرنے کا آغاز مشکل نہیں اس کو اپنے آخری نقطہ عروج تک پہنچانا مشکل ہے لیکن اس کے حل بھی قرآن کریم نے پیش فرمائے ہیں۔

تو سب سے پہلے اپنا یہ امتحان ہمیں شروع کر دینا چاہئے کہ ہم رحمٰن خدا کے نام پر کوئی دھبہ تو نہیں بن جاتے۔ رحمٰن خدا جس کے غلام کہلا کے پھر رہے ہیں دنیا میں اس کی شان اور اس کی عزت پہ کوئی حرف تو نہیں لاتے اور اس پہلو سے بہت ہی انکساری کے ساتھ زمین پر وقت گزارتے ہیں عجز کے ساتھ وقت گزارتے ہیں کہ ہماری وجہ سے کسی طرح ہمارے آقا کے نام پر کوئی حرف نہ آئے اور اس کی طرف ہمارے عبد کا منسوب ہونا جائز قرار ٹھہرے، ناجائز نہ بن جائے۔ یہ لوگ سلامتی کا مجسم پیغام بن جاتے ہیں اور جو دن کو اس طرح چلتے ہیں وہ راتوں کو سو کر بسر نہیں کیا کرتے کہ سارا دن تو وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں، عجز کے ساتھ چلیں، سلامتی کے پیغام پہنچاتے پھریں، گھر آئیں تو آرام سے لمبی تان کے سو جائیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جو وہاں تھا وہ دکھاوا تھا۔ وہ کسی رحمٰن خدا کی خاطر نہیں تھا کیونکہ جب کوئی نہیں دیکھ رہا تو ان کا رحمٰن خدا سے تعلق ختم ہو گیا۔

اس لئے دوسری آیت نے اس مضمون کو پوری طرح مکمل حفاظت دے دی ہے کہ عباد الرحمٰن راتوں کو جب کوئی ان کو نہیں دیکھ رہا ہوتا اپنی رحمانیت سے اخذ کی ہوئی صفات کی حفاظت کرتے ہیں اور دن کو جو لوگوں کے سامنے جھکتے ہیں وہ خدا کی خاطر جھکتے ہیں ان کو سجدے نہیں کیا کرتے۔ جہاں تک روح کے سجدے کا تعلق ہے، جہاں تک حقیقی اطاعت کا تعلق ہے فرمایا وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا یہ وہ لوگ ہیں جو راتیں جاگ جاگ کر، خدا کے حضور سجدے کرتے ہوئے اور احترام کے ساتھ کھڑے ہو کر گزار دیتے ہیں۔ تو صاف پتا چلا کہ ان کا دنیا کے سامنے جھکنا ان کی بزدلی یا ذلت کے نتیجے میں نہیں ہے، رحمٰن خدا سے تعلق کے نتیجے میں ہے۔ اور جب اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو سجدہ اسی کو کرتے ہیں، کسی غیر اللہ کو نہیں کرتے اور جب اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو کامل احترام کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اور یہ کہتے ہیں اس وقت وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا یہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ٹال

دے، دور فرما دے اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا بہت بڑی تباہی ہے جہنم کا عذاب تو ایسی چٹی ہے جس کے بوجھ تلے ہم پیسے جائیں گے۔ پس اس مضمون کا تعلق بھی ایک طرف عجز سے ہے دوسری طرف اس حقیقت سے کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ بار بار اٹھائے جائیں گے۔ ان کا کامل ایمان ہوتا ہے مر کر دوبارہ اٹھنے پر اور اگر مر کر اٹھنے پر ایمان نہ ہو تو دنیا میں وہ اصلاحات جو عِبَادُ الرَّحْمٰنِ سے توقع کی جاتی ہیں وہ ان کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ یہ مرکزی نقطہ ہے اس مضمون کا کہ تم آخرت پر ایمان رکھو اور یقین جانو کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے گا۔ پس محض ایک منطقی، عقلی رستہ نہیں ہے جو خدا تک پہنچائے گا بعض ٹھوس حقائق ہیں جو پیش نظر ہوں تو پھر تمہارا خدا کی طرف سفر آسان ہو جائے گا۔ ایک سفر کا جو مقصد ہے وہ کسی اچھی چیز کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور ایک سفر کا مقصد کسی بری چیز سے بچنا ہے تو یہ دونوں محرکات قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ اس لئے ہر نبی کو بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا، بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فرماتا چلا جا رہا ہے، بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (البقرہ:120) کہ وہ انسان کے اندر دونوں جذبے یعنی حرص کا جذبہ، طمع کا جذبہ، کچھ حاصل کرنے کا جذبہ ان کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں نصیحت کے وقت اور خوف کا جذبہ۔ یہ ڈر کہ ہم کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں، عزت کے جذبے کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ تو فرمایا یہ لوگ رحمٰن خدا سے محبت اور تعلق رکھتے ہوئے اس کے سامنے جھکتے ہیں مگر خوف بھی رکھتے ہیں کہ اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی تو پھر قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے گا، ہمارا حساب کتاب ہوگا۔

پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے تعلق کو اور ان رستوں پر قدم مارنے کو مشکل سمجھتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ یوم آخرت پر یقین کے بڑھنے کے ساتھ یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے کیونکہ وہ شخص جو شیر کو دیکھ لے یا کسی اور خوفناک جانور کو دیکھ لے وہ اس سے دوڑتا ہے اور تھکا ہارا بھی ہو، یہ کہہ کر بیٹھ رہا ہو کہ اب تو مجھ سے ایک قدم نہیں اٹھایا جاتا، شیر دیکھے گا تو وہیں قدم ہلکے ہو جائیں گے اس قدر تیزی سے دوڑ پڑتا ہے بعض دفعہ کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ تو جو مخفی طاقتیں ہیں انسان کی، جو دبی ہوئی ہیں جن کو عام حالتوں میں انسان استعمال میں نہیں لاتا خوف کے نتیجے میں وہ ایک دم بیدار ہو جایا کرتی ہیں۔ طمع کے نتیجے میں بھی ہوتی ہیں مگر خوف کے نتیجے میں ان میں Panic آجاتی ہے ہراساں ہو کر وہ دوڑتے ہیں۔ پس فرمایا جہنم کا خیال ان کے اعمال کو صحت بخشتا ہے، ان کے اعمال کی بہترین تشکیل کرتا ہے وہ ہر اس چیز سے بچیں گے جس سے ان کو خطرہ ہو کہ وہ جہنم میں داخل کئے جا سکتے ہیں۔

تو یہ جو منفی پہلو خوف کا ہے یہ بھی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ بننے کے لئے لازم ہے کہ پیش نظر رہے اور جتنا یقین ہوگا اس حقیقت پر کہ ہماری جواب طلبی ہوگی اتنا ہی گناہ سے خوف آنے لگے گا خواہ وہ کتنے ہی خوبصورت دکھائی کیوں نہ دیں۔ ایسے درخت جو بہت ہی خوبصورت اور دلکش ہوتے ہیں لیکن کانٹے دار ہوتے ہیں آپ ہاتھ بڑھا کر ان کا پھول نہیں توڑنا چاہتے کیونکہ ادھر ہاتھ بڑھایا ادھر زخمی ہوگیا لیکن جہاں پھول بھی زہریلے ہوں یا جانور ہو جو سانپ کی طرح زہریلا اور خواہ کیسا ہی خوبصورت رنگوں میں بنا ہوا ہو آپ اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتے۔ تو گناہ کی حقیقت اگر اس کے عذاب کے حوالے سے معلوم کی جائے پھر انسان کے لئے اس سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کسی گناہ کے ساتھ لطف کا تعلق ذہن میں آپ باندھے رہیں اور اس کے عذاب کا پہلو نظر انداز کر دیں تو پھر گناہ پر دلیری ہوگی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے فوری طور پر یہاں مضمون کے شروع ہی میں بیان فرما دیا کہ جو خدا کے حضور اٹھتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں، جھکتے ہیں تو اس میں صرف محبت کا پہلو نہیں رہتا کیونکہ محبت کے پہلو کے نتیجے میں بعض دفعہ انسان دلیر بھی ہو جایا کرتا ہے۔

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

اپنے محبوب کو ایک شاعر کہتا ہے کہ تیرے کرموں نے تو ہمیں گستاخ بنا دیا ہے۔ تو اتنا مہربان ہے کہ پکڑتا ہی نہیں تو اس کے نتیجے میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ بچے جن کو لمبی ڈھیل دی جائے جس سے محبت ہی کی جائے اور ان کو ناراضگی کا خوف کبھی دامن گیر ہی نہ ہو، پتا ہی نہ ہو کہ یہ کیا ہوتی ہے، بڑے بدتمیز اور آزاد ہو جاتے ہیں اور من مانی کرتے پھرتے ہیں پھر ساری زندگی ان کی برباد رہتی ہے۔

تو طمع اور خوف یہ دو پہلو لازماً انسانی تربیت کے لئے دو پہیوں کی طرح ہیں ایک پہیے کو نکال دیں تو ایک پہیے پر گاڑی چل نہیں سکتی۔ پس قرآن کریم فرماتا ہے وہ اٹھتے ہیں محبت سے مگر اپنا مقام سمجھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جس سے ہم محبت کر رہے ہیں اس میں پکڑنے کی بھی طاقت ہے۔ وہ آیت جو میں نے پہلے آپ کے سامنے رکھی تھی اس میں اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یوسف: 99) کے ساتھ خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الزمر: 59) کہ اللہ تعالیٰ گناہ بھی بخشتا ہے اس کا عذاب بھی بڑا سخت ہے، اس کی پکڑ کے تصور سے لوگوں کی جان نکلتی ہے اور وہ کہتے ہیں جب عذاب کو دیکھتے ہیں تب ان کو

سمجھ آتی ہے کہ انہوں نے کیا بے احتیاطیاں برتی تھیں۔ پس محض غَفُوْرًا رَّحِيْمًا سمجھ کر خدا کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتے جب تک یہ نہ سمجھیں کہ وہ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (البقرہ: 197) بھی ہے، وہ سخت عقوبت بھی کر سکتا ہے۔

پس عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی دیکھیں کیسی کامل تصویر کھینچی گئی ہے، کیسی متوازن تصویر کھینچی گئی ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا وہ تو ایسی ظالم چیز ہے تیرا عذاب، وہاں مستقل ٹھہرنا تو در کنار، عارضی طور پر ٹھہرنا بھی ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ بہت ہی برا عارضی ٹھکانہ ہے اور مستقل ٹھکانہ تو بے حد و حساب برا ہے۔ اب اسی قسم کے الفاظ خدا تعالیٰ جنت کے تعلق میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کے لئے بیان فرماتا ہے اور ان پر کھول دیتا ہے کہ تمہارے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو عذاب کو قبول کرلو جو مستقر بھی برا ہوگا اور مقام بھی برا ہوگا یا بالا خانوں والی جنتیں حاصل کرلو جو عارضی طور پر بھی بہت پیاری ہیں اور ہمیشہ ٹھہرنے کے لئے بھی بہت ہی پیاری ہیں۔

وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے خرچوں میں بھی ایک توازن پایا جاتا ہے اور نہ وہ اسراف کرتے ہیں کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کر دیں، نہ وہ ہاتھ اتنا روک لیتے ہیں کہ کنجوس ہو جائیں۔ یہ جو آیت ہے یہ ان تمام آیات کی طرح جو اس رکوع میں موجود ہیں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کے عنوان کے تابع ہیں ایک توازن پیش کر رہی ہیں اور سورۃ الرحمٰن میں اسی توازن کا ذکر ہے۔ سورۃ رحمان میں آسمان اور زمین کے تعلق میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمن: 10) یہ تم وزن کا انصاف کے ساتھ ترازو برابر رکھو۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمٰن: 10،8) کہ ہم نے آسمان کو بلند فرمایا اور متوازن کیا تا کہ تم جو بلندی کے خواہاں ہو تم توازن میں ناانصافی سے کام نہ لینا اس میں کمی بیشی نہ کرنا کیونکہ ہر رفعت انصاف کو چاہتی ہے انصاف ہی سے ترقیوں کی ہر راہ شروع ہوتی ہے۔ پس قرآن کریم کے اندر ایک حیرت انگیز توازن پایا جاتا ہے۔ ایک ہی مضمون کو جہاں بھی شروع

فرمائے گا اس کی بنیادی صفات میں سے کوئی بھی نہیں بھولتی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قطعاً یہ انسان کا کلام نہیں ہے ورنہ تئیس (23) سال کے عرصے میں پھیلی ہوئی آیات ان بنیادی شرائط کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں جو ایک مضمون سے تعلق رکھتی ہیں، یہ ناممکن ہے۔

تو ان تمام آیات میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو ایک توازن دکھائی دے گا اور عِبَادُالرَّحْمٰنِ بننے کے لئے وہ توازن شرط ہے اور قیام عدل کے بغیر عِبَادُالرَّحْمٰنِ بن سکتے ہی نہیں۔ رحم عدل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عدل ہوگا تو رحم شروع ہوگا۔ عدل ہے نہیں تو رحم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو رحمٰن سے تعلق جوڑنے کی باتیں کرو، اتنے بلند ارادے رکھو اور دنیا میں بے انصافی سے کام کرتے پھرو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو یہ دوسرا بڑا عظیم پیغام ہے اور خرچ میں بھی ایک انصاف ہے۔ جو شخص خرچ میں بہت زیادہ دکھاوے کے طور پر یا طاقت سے بڑھ کر خرچ نہیں کرتا اور جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں ہاتھ روکتا نہیں اس کی بہترین زندگی گزرتی ہے اور ایسے شخص غریب بھی ہوں تب بھی وہ اچھے رہتے ہیں اور ان صفات سے عاری امیر بھی ہو تو وہ ضرور برباد ہو جایا کرتا ہے۔

پس محض روپے کی کمی یا زیادتی آپ کو سکون نہیں بخش سکتی۔ قرآن کریم کی اس آیت میں جو مضمون بیان فرمایا گیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اپنے خرچ میں توازن رکھا کرو۔ خدا نے جتنا دیا ہے اسی حد تک، اسی نسبت سے خرچ بھی کرو اور اسی نسبت سے ہاتھ بھی روکو۔ جہاں خدا نے رکنے کے لئے کہا ہے رک جاؤ۔ جہاں خرچ کرنے کے لئے فرمایا ہے خرچ کرو مگر توازن کے ساتھ۔ تو جو اپنی طاقت کے اندر رہتے ہوئے خرچ کرتا ہے وہ ہر قسم کے نقصانات اور دکھوں اور مصیبتوں سے بچتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور یہ بھی انصاف کے تقاضوں میں سب سے اہم تقاضا ہے کہ اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ قرآن کریم شریک ٹھہرانے کو ظلم کہتا ہے جو عدل کے منافی، برعکس مضمون ہے۔ پس جہاں بھی قرآن کریم میں شرک کی برائیاں بیان ہوئی ہیں آپ دیکھ لیں اٹھا کر، کھول کر دیکھ لیجئے وہاں آپ کو ناانصافی کا، عدل کے فقدان کا یا ظلم کا مضمون دکھائی دے گا۔ جو خدا کا ہے خدا کو دو یہ انصاف ہے۔ فرضی بتوں کو وہ دے دو جو خدا کا ہے یہ تو بہت بڑی جہالت ہے اور ظلم، ناانصافی ہی کے معنوں میں نہیں بلکہ اندھیروں کے معنوں میں بھی حد سے زیادہ ایک قبیح صورت اختیار کر جاتا ہے۔ پس ظلم دونوں معنے رکھتا ہے ایک ہے اندھیرا، تاریکی، جہالت اور

ایک ہے ناانصافی، کسی کا حق لیا کسی اور کو دے دیا یا اپنا لیا اور یہ لفظ شرک کے تعلق میں سب سے زیادہ قوت کے ساتھ اطلاق پاتا ہے سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اطلاق پاتا ہے کیونکہ شرک میں یہ دونوں باتیں بڑی نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں، جہالت حد سے زیادہ اور ظلم بھی حد سے زیادہ یعنی ناانصافی بھی حد سے زیادہ۔ تو فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور آگے دیکھیں پھر انصاف کا مضمون وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی جو کسی کے اموال پر ہاتھ نہیں ڈالتا، جو کسی کے حقوق کا خیال رکھتا ہے وہ ناحق جان کیسے لے سکتا ہے۔ کہتا ہے یہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ وہ ہیں جو کبھی بھی ناحق کسی کی جان نہیں لیتے اِلَّا بِالْحَقِّ سوائے حق کے جو خدا بخشتا ہے کیونکہ مالک وہی ہے۔ جب حق ان کو کہے تو پھر حق کے تقاضے پورا کرنا ان کا فرض ہے کیونکہ حق کو چھوڑنا بھی تو گناہ ہے۔

تو جہاں حق یہ کہے کہ یہاں جان لینا لازم ہے یا حق یہ کہے کہ اجازت ہے دونوں صورتوں میں جہاں مجاز بنائے گئے ہو چاہو تو جان لو، چاہو تو نہ لو دونوں صورتیں برابر ہو جائیں گی۔ جہاں حق ہو کہ تم نے لازماً جان لینی ہے یہاں، وہاں تمہارا فرض ہے کہ جان لو۔ اب جب مسلمان مجاہدین غیر مسلم طاقتوں سے نبرد آزما ہوتے رہے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جہاد کے دوران، جو جہاد بالسیف تھا یعنی اس جہاد کے دوران یہ اجازت ہی نہیں تھی کہ جس کی جان لے سکو اس لڑائی کے دوران اس کی جان نہ لو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ روایت ہے بڑے نرم دل تھے بات بات پر رونا آجاتا تھا، بے حد شفیق لیکن جہاد کے دوران ان کا بیٹا جو اس وقت تک ابھی مومن نہیں ہوا تھا ایمان نہیں لایا تھا وہ ان کے مقابل پر لڑ رہا تھا۔ ایک موقع پر ان کے بیٹے کو یہ موقع ملا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قتل کر سکتا لیکن اس نے نہیں کیا اور بعد میں اپنی طرف سے احسان کے طور پر یہ بتانے کے لئے کہ دیکھیں کیسا فرمانبردار بیٹا ہوں یہ کہا اپنے ابا کو مخاطب کرتے ہوئے کہ آپ کو یاد ہے وہ جنگ جس میں آپ بھی شریک تھے لیکن مسلمانوں کی طرف سے اور میں مشرکوں کی طرف سے شامل تھا۔ ایک ایسا موقع تھا کہ میں چاہتا تو آپ کو قتل کر سکتا تھا مگر میں نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا اور تم میرے مقام پر ہوتے تو میں تمہیں ضرور قتل کر دیتا۔ ناممکن تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دیتا۔ یہ ہے قتل بالحق۔ بعض قتل میں حق کا تقاضا ہے وہ

اجازت ہی نہیں دیتا کہ تم قتل سے باز آ جاؤ۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا ہے تو لازماً قتل کرنا پڑے گا، اپنے دل کی بات نہیں دیکھنی ہوگی، یہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ ہیں۔

وَلَا یَزْنُوْنَ اور وہ موت کے تعلق میں بھی اسی طرح انصاف سے کام لیتے ہیں جیسے زندگی کی پیدائش کے تعلق میں۔ اب عام طور پر لوگ سمجھتے نہیں کہ یہاں یَزْنُوْنَ کا کیا مطلب ہوگیا اچانک۔ قتل کی باتیں ہو رہی ہیں اور زنا نہیں کرتے۔ قتل سے جان لی جاتی ہے اور قتل ناحق وہ ہے جہاں آپ کو اجازت نہیں اور آپ نے جان لے لی اور زنا کے ذریعے زندگی پیدا کی جاتی ہے اور وہ زندگی پیدا کی جاتی ہے جس کے پیدا کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے تو آپ محی بھی بن جاتے ہیں ممیت بھی ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اللہ کی صفات ہیں کہ وہ زندہ کرتا ہے اور وہ مارتا ہے آپ دونوں صفات پر قابض ہو بیٹھتے ہیں اور اس کا بھی شرک سے تعلق ہے۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جو خدا کی چیزیں ہیں وہ خدا کو دیتے ہیں اپنے ہاتھ میں نہیں لے لیتے۔ پس موت کا اختیار خدا کو ہے کوئی اور نہیں ہے جو کسی کی موت کا فیصلہ کر سکے۔ پیدا کرنے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر پیدا کرے۔ اور یہ خدا کے وہ بندے ہیں جو قتل بھی حق کے ساتھ کرتے ہیں اور پیدا بھی حق ہی کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو یہ مضمون ہے زنا نہیں کرتے، جس کے نتیجے میں لازماً پھر ایسے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ فرمایا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا اور جو یہ باتیں کرے جو اوپر بیان کی گئی ہیں تو بہت بڑا گناہ کمانے والا ہے اور اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ یَلْقَ اَثَامًا کا مطلب یہ ہے اس نے بہت بڑا گناہ کمایا اور اس گناہ کا بدنتیجہ وہ دیکھ لے گا اس کے لئے عذاب آئے گا اس کے پیچھے، عذاب اسی کو دیا جائے گا اور یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ۔ عذاب میں بڑھا دیا جائے گا کیونکہ عام گناہوں کے مقابل پر یہ جو گناہ، شرک کا گناہ اور زندگی اور موت کے معاملے میں خدا کی ملکیت میں دخل اندازی یہ تمام تینوں چیزیں مل کر اتنا بڑا گناہ بن جاتی ہیں کہ فرمایا یَلْقَ اَثَامًا بہت بڑے گناہ کو پہنچے گا اور اس کے عذاب کو دیکھے گا اور ایسے شخص کا عذاب بڑھایا جائے گا اور اس میں وہ چھوڑ دیا جائے گا ذلیل اور خوار ہو کر۔ یعنی اس کو پھر پوچھا بھی نہیں جائے گا کہ تم کس حالت میں ہو۔

یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا وہ اس میں لمبے عرصے

تک ذلیل وخوار پڑا رہ جائے گا اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور نیک اعمال بجالائے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ تو یہ وہی لوگ ہیں جن کی بدیوں کو حسنات میں اللہ تعالیٰ تبدیل فرمادے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

وہ لوگ جن کو یہ وعدہ دیا گیا کہ ان کا عذاب بڑھایا جائے گا اور بہت شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے ان کے متعلق فرمایا اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ یہ جو مضمون ہے اب عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہاں وَلَا یَزۡنُوۡنَ والا جو حصہ ہے جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں زندگی اور موت پہ قابض بن بیٹھتے ہیں اب کچھ ان کے متعلق باتیں شروع ہوگئی ہیں۔ فرمایا اگر تم ان میں سے ہو تو عبادالرحمٰن سے تو تمہارا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں رہا پھر یاد رکھنا تم سے یہ سلوک کیا جائے گا اور وہ سلوک یہ ہے کہ عذاب بڑھایا جائے گا اور بہت ہی بری حالت میں تم رہو گے وَیَخۡلُدۡ فِیۡهٖ مُهَانًا اس میں ذلیل حالتوں میں مدتوں اسی طرح پڑے رہو گے۔

لیکن اس سے بچنے کا ایک طریق ہے جو تمہارا رستہ موڑ دے گا اور پھر تم عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ کی طرف واپس رخ کر سکتے ہو تو یہ ایک Deviation ہے رستے کی جس سے متنبہ فرمادیا گیا۔ اللہ کے رستے پر چلتے ہوئے یہ حرکتیں نہ کر بیٹھنا ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔ واپس خدا کی طرف جانا ہے اگر اس طرف سے جہاں تم جا پہنچے ہو غلطی سے، تو یہ شرط ہے کہ توبہ پھر کرنی ہوگی اور نیک اعمال، ایمان دوبارہ لانا ہوگا۔ توبہ کے بعد ایمان یا ایمان کے بعد توبہ یہ مضمون ہے جو یہاں کھلنا چاہئے۔ ایک ایمان سرسری ہوا کرتا ہے جس سے ساری بات شروع ہوئی ہے اور ایک ایمان ہے جو حقیقی ہوتا ہے۔ تو جو توبہ کر کے ایمان لاتا ہے مراد یہ ہے کہ توبہ کر کے اپنے ایمان کی سچائی کو ثابت کرتا ہے ورنہ اگر حقیقی ایمان نہ ہو خدا تعالیٰ کے صاحب اختیار ہونے پر اور جہنم کے حق ہونے پر تو ایسا ایمان اس کو توبہ کرنے دے گا ہی نہیں۔

پس فرمایا تمہارے ایمان کی اصلاح ضروری ہے جو سچی توبہ سے ہوگی۔ سچی توبہ کرو اور پھر جو تمہارا ایمان نصیب ہوگا وہ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا تک تمہیں پہنچا دے گا کہ ایسا شخص پھر لازم ہے کہ نیک اعمال بجالائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات میں تبدیل کرنا شروع کر دے گا۔ اب دیکھ لیں وہی بات جو میں آپ سے عرض کر چکا ہوں پہلے بھی کہ اپنی برائیوں کو خود تبدیل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، بہت ہی مشکل کام ہے لیکن فیصلہ کرنا اور یہ ارادہ کر لینا کہ ہم نے آج اپنی زندگی میں ایک تبدیلی پیدا کرنی ہے یہ آغاز ہر انسان کے دل سے ہونا چاہئے اس کے بغیر خدا تعالیٰ کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرے گا۔ فرمایا ایک فیصلہ کرو اور اس کی سچائی کو اپنے عمل سے ثابت کرنے کی کوشش کرو۔

تو پہلے ہے وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اس سے مراد یہ ہے نیک اعمال بجالانے کی کوشش کرے گا کیونکہ بعد کی آیت یہی مضمون کھول رہی ہے۔ پس ہر وہ شخص جو ایسی توبہ کرے گا کہ اس کے بعد نیک اعمال بجالانے کی کوشش کرتا ہے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ تو وہ ہلکی پھلکی توبہ نہیں کیا کرتا۔ وہ تو اپنے رب کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھپٹ پڑتا ہے۔ اس تیزی سے الٹ پڑتا ہے اس طرف کہ جیسے آناً فاناً کوئی واقعہ ہو گیا ہو۔ تو جو خدا تعالیٰ کی عظمت کو پہچان لے اور عذاب کی حقیقت کو جان لے وہ پھر ٹالا نہیں کرتا توبہ کو کہ اچھا آج میں اتنا سا کرلوں گا، کل میں اتنا کروں گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی حفاظت کی گود میں آجاتے ہیں فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا وہ تو اللہ کی طرف توبہ کرتے ہوئے الٹ پڑتے ہیں۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ جو مَتَابًا کا مضمون ہے یعنی بے محابا توبہ۔ ایک دم گویا ایک زلزلہ سا برپا ہو گیا ہو ایسی توبہ، اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض باتیں لازماً ہوں گی اور بعض علامتیں ظاہر ہوں گی۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں نے وہ توبہ کر لی ہے جس کا دوسرا نام توبۃ النصوح بھی ہے تو اس توبۃ النصوح کے بعد پھر یہ علامتیں ظاہر ہونی چاہئیں۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا کہ وہ جھوٹ کا منہ تک نہیں دیکھتے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ میرے نزدیک یہاں موقع جھوٹی گواہی کا نہیں بلکہ وہی معنی ہے جیسے

رمضان کو دیکھنے کے لئے بھی شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کسی کو دیکھنا بھی شہادت ہوتی ہے تو فرمایا کہ وہ جھوٹ کا منہ تک نہیں دیکھتے۔ اس تسلی کی خاطر کہ اہل علم میں سے کوئی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ نہیں۔ میں نے (مفردات) امام راغب کو کھولا تو ان کی کتاب میں اسی آیت کے تابع یہی معنے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایسی توبہ کرنے والے جھوٹ کی طرف کسی پہلو سے اس کے پاس بھی نہیں جاتے، پھٹکتے نہیں اس کے پاس۔ تو یہ معنی وہی ہے کہ اس کا منہ تک نہیں دیکھتے بالکل اس سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ اب دیکھیں آیات کا مضمون اسی طرف سے شروع ہوا تھا کہ وہ جب خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ان کے ساتھ مل جل کے بیٹھا نہیں کرتے جاہلوں کے ساتھ، ان کو سلام کر کے الگ ہوجاتے ہیں۔ تو دوبارہ واپس پھر عِبَادُ الرَّحْمٰنِ میں اس توبہ نے اس مضمون کو داخل کر دیا یعنی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کا مضمون شروع ہوا بیچ میں ان کا ذکر جو رستوں کی ٹھوکریں کھا کر بھٹک گئے تھے انہوں نے بچنا ہے تو کس طرح بچیں گے دوبارہ اللہ کے راستے پہ پڑنا ہے تو کیسے پڑیں گے، یہ مضمون شروع کرتے ہی وہ صفات دہرانی شروع کر دیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا ایک معنی ہے شرک کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ قرآن کریم نے شرک کو زور فرمایا ہے۔ تو پہلے جو شرک سے بچنے کا مضمون ہے وہ اس کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ پس وہ جھوٹ کے قریب تک نہیں جاتے، شرک کے پاس نہیں پھٹکتے۔ جب یہ باتیں ہوں تو پھر لغو باتوں میں ان کو دلچسپی نہیں رہتی۔ بے ہودہ لغو باتوں میں جو انسانی دلچسپی ہے اس سے ان کا دل پھر جاتا ہے ان کا مزہ نہیں رہتا ان باتوں میں اور اس کے نتیجے میں ایک چیز یہ پیدا ہوتی ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے جب خدا تعالیٰ کی باتیں کی جائیں، خدا تعالیٰ مراد ہے، لفظ استعمال ہوا ہے رَبِّهِمْ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے جب ان کے رب کے نشان پیش کئے جاتے ہیں لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا وہ اس کے اوپر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں پڑتے۔ اس سے بہروں اور اندھوں والا سلوک نہیں کیا کرتے بلکہ بڑی توجہ کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا ذُرِّيّٰتِنَا

قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اب یہاں وقت تھوڑا رہ گیا ہے باقی حصہ انشاء اللہ بعد میں بیان کروں گا، ایک اہم بات اس آیت کے تعلق میں بیان کرنے والی یہ ہے کہ آپ لغو سے منہ موڑیں گے تو خدا تعالیٰ کی باتوں میں دلچسپی ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی باتوں میں دلچسپی ہوگی تو لغو سے خود بخود منہ مڑنے لگیں گے اور یہ روزمرہ پہچان ہے کہ ہم عِبَادُ الرَّحْمٰنِ بننے کے قریب ہو رہے ہیں یا دور ہٹ رہے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح پلے باندھ لیں۔ بعض لوگ ہیں جو نیکی کی باتیں ہو رہی ہوں، درس ہو رہا ہو، خطبہ ہو رہا ہو، ایسی باتیں ہوں تو ان کی آنکھوں سے کچھ روشنی بجھ سی جاتی ہے۔ وہ بیٹھتے تو ہیں اگر بیٹھیں مگر ہر بات کو غور سے سن نہیں رہے ہوتے طبعاً دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر ان کی مرضی کا ٹیلی ویژن کا پروگرام ہو تو پھر دیکھیں اچانک اندر سے ایک روشنی نکلتی ہے اور آنکھیں چپک جاتی ہیں ٹیلی ویژن کے ساتھ اور اگر کوئی بچہ شور ڈالے تو (کہتے ہیں) 'ایں، ہیں ہیں، خبردار، چپ چپ! وہ دیکھو وہ کیا کر رہا ہے، مزہ خراب کر دیا'۔

تو عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور جو دوسرے بندے ہیں کسی کے ان میں بڑا فرق ہے اور یہ علامتوں سے پہچانا جاتا ہے اور ہر انسان روزمرہ اپنی علامتوں کو دیکھتا ہے، جانتا ہے اور ان آیات کے ذریعے علامات جو اس کے اندر سے ظاہر ہو رہی ہیں وہ شناخت کر سکتا ہے اپنے آپ کو۔ پس خدا تعالیٰ نے جو مشکل رستے دکھائے ہیں، بلند منزلیں قائم فرمائی ہیں ان کے ہر قدم پر راہنمائی فرمائی ہے۔ ہر قدم پر جانچ، پہچان کے سائن بورڈ لگا دیئے ہیں تا کہ آپ کو بعد میں جا کر نہ پتا چلے کہ او ہو یہ کیا ہو گیا، میں کہاں جا نکلا۔ ہر وقت، ہر لمحہ، ہر قدم آپ کو پتا ہو کہ میں کس سمت میں قدم اٹھا رہا تھا، کس سے دور جا رہا ہوں اور کس سے قریب جا رہا ہوں۔ تو عِبَادُ الرَّحْمٰنِ بننا مشکل تو ہے مگر خدا تعالیٰ نے اتنا تفصیل سے یہ مضمون بیان فرما دیا ہے کہ ان میں سے ایک ایک آیت جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے آیت کے حوالے سے وہ اپنی ذات میں بہت بڑا مضمون رکھتی ہے۔ اگر اس کے اوپر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو ایک لمبا سلسلہ چاہئے ان باتوں کے بیان کا۔ تو سرِ دست میں چونکہ وقت ختم ہو گیا یہیں اسی پر اکتفا کرتا ہوں انشاء اللہ آئندہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ والے مضمون کو ہی ہم پھر بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ